

اپنوں کے ستم ہم نے یہاں لاکھ سہے ہیں

ازقلم: محمد اسامہ التاباڑی متعلم: دورۂ حدیث شریف



اردو کے ارتقائی سفر میں دربار و دبستاں اور خانقاہ و بازار سبھی کچھ آئے، اس نے تمام جگہوں سے اکتساب فیض کیا، ہندوستان میں اس کی پیدائش ہوئی، دکن میں شیر خواری ہوئی، دہلی کی آغوش میں پروان چڑھی، لکھنؤ کے گھرانوں میں جواں سال ہوئی، بھوپال کی راتوں میں پرکیف بنی اور صبحِ بنارس کی لطافتوں میں سجی دھجی، اس زبان کو ساگر ہند سے گہرائی، کشمیر کی وادیوں سے رعنائی، کوہ ہمالہ سے بلندی اور گنگا و جمنا سے روانی ملی تھی، یہ اس وقت کی بات ہے جب یہ ہندوستان خود جنت نشان تھا؛ لیکن جب انگریزوں کے تسلط اور ان کے جابرانہ نظام سے یہاں کا سب کچھ اجڑ گیا، دربار و دبستاں اور خانقاہ و بازار سب سمٹ کر رہ گئے، تو یہ زبان بے یار و مددگار، بے بسی اور بے کلی میں پھرتی رہی، پھر اس کو نہ تو کوئی گود لینے کے لیے تیار تھا اور نہ ہی کوئی اپنی آغوش تربیت میں جگہ دینے کو آمادہ تھا، ایسے پرآشوب ماحول میں اگر اس کو کہیں جگہ ملی اور اس کی یتیمی کی اشک شوئی کسی نے کی تو وہ مدارس اور مکاتب کے بوریا نشیں علماء کا طبقہ تھا، انہیں نابغۂ روزگار شخصیات میں سے علامہ شبلی نعمانی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالماجد دریا آبادی، مولانا مناظر احسن گیلانی، سید سلیمان ندوی، مفتی شفیع عثمانی ہیں، انہوں نے جو علمی کارنامے انجام دیے، اس کی وجہ سے ان کو حیات جاودانی مل گئی اور ان کے مسافر قلم سے ایسی لاجواب اردو تصانیف وجود میں آئیں کہ جن کی وجہ سے ان کا نام گردشِ شام و سحر کی زنجیر سے آزاد ہو گیا؛ مگر افسوس اردو ادب کے تئیں ہماری نسل نو کی حالت یہ ہے کہ اس نے اردو کو یتیمی کی چادر اڑھا کر اشک بہانے پر مجبور کر دیا

گرا دی اس کی قیمت ہم نے ہی اپنی نگاہوں میں
برا ہم خود ہی سمجھیں گے تو اچھا کون سمجھے گا؟

ہم اردو زبان سے اتنے بیگانہ ہو گئے ہیں کہ آج اردو کے لیے بنیادی مسئلہ کچھ پانے اور کچھ کھونے کا نہیں؛ بل کہ اردو کی بقا کا ہے؛ اس لیے آج اردو ہم سے یہ کہہ رہی ہے کہ

کس منہ سے کریں ہائے ہم اغیار کے شکوے
اپنوں کے ستم ہم نے یہاں لاکھ سہے ہیں

اردو ادب کے تئیں دل درد مند رکھنے والے تمام اصحاب فکر سے درخواست ہے کہ اردو کی بقا اور ارتقا کے لیے عملی طور پر آگے آئیں اور اردو کو حیات جاودانی عطا کر کے، اس مصرعے کا مصداق بنیں

کاش یہ مصر نقشِ ہر در و دیوار ہو جائے
جسے جینا ہے مرنے کے لیے تیار ہو جائے



فضائل محرم



ازقلم: ابوحذیفہ برنیاں متعلم: پنجم عربی

ماہ محرم جس طرح زمانہ جاہلیت میں معظم ومکرم سمجھا جاتا تھا، اسی طرح اسلام کی آمد کے بعد بھی اس ماہ کی عظمت و حرمت کو سابقہ حالت پر برقرار رکھا گیا، اور مذہب اسلام میں بھی ابتداء اس ماہ کی عظمت کے پیش نظر اس میں قتل وقتال اور جنگ وجدال کو ممنوع قرار دیا گیا، عہد فاروقی میں اس کی فضیلت اور بڑھی؛ چنانچہ اسلامی تاریخ کا آغاز بھی صحابۂ کرام کے مشورے سے اسی ماہ محرم سے طے پایا، اور جہاں تک خصوصیت وافضلیت کی بات ہے تو وہ صرف اس وجہ سے نہیں کہ شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کا واقعہ اور حادثۂ کربلا اس مہینے میں پیش آیا تھا، جیسا کہ عام لوگوں کا نظریہ ہے؛ بل کہ اس مہینے کی فضیلت مختلف واقعات وحادثات کی وجہ سے ہے، بہ طورِ خاص یہ اعزاز وافتخار بھی اس ماہ کو حاصل ہے کہ عاشوراء جیسا مقدس دن اسی ماہ مبارک کا حصہ ہے جو اپنے اندر بے شمار تاریخی واقعات کو سموئے ہوئے ہے، نیز اس مہینے کی افضلیت کا ثبوت قرآن وحدیث سے بھی ملتا ہے؛ چنانچہ اللہ تبارک وتعالی نے بارہ مہینوں میں سے چار مہینے کا استثنا کر کے فرمایا: أربعة أشهر اور ماہ محرم کو بھی ان چار قابل قدر اور لائق تعظیم مہینوں میں شمار کیا؛ کیوں کہ ماہ محرم بھی اپنے اندر بے شمار فضائل و برکات اور خوشیوں کی سوغات لیے ہوئے ہے، اور یہ ماہ تاریخ اسلام میں رونما ہونے والے بے شمار واقعات کے ورود کا مظہر ہے، قرآن ہی میں دوسری جگہ ہے **يسألونك عن الشهر الحرام قتال فيه قل قتال فيه كبير** اس آیت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ شہر حرام میں محرم کا مہینہ بھی شامل ہے۔

الغرض پورا مہینہ حق تعالی کی خصوصی توجہات کا محل اور مورد ہے اور حدیث پاک کے اندر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **شهر الله المحرم** کہ محرم اللہ کا مہینہ ہے، سارے مہینے تو اللہ ہی کے ہیں؛ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم کو شہر اللہ کہا ہے، معلوم ہوا کہ محرم کو دیگر مہینوں پر فضیلت حاصل ہے۔

اب ان تمام تر فضائل ومناقب کا تقاضا تو یہ تھا کہ ہم اس مہینے اور عاشوراء کے محرم ومعزز ہونے کے سبب زیادہ سے زیادہ عبادت اور نیک کاموں میں مشغول ہو کر نیکیوں کا وافر حصہ حاصل کرتے؛ مگر امت مسلمہ کی ایک بڑی تعداد تاریخ وحقائق سے ناواقف ہیں اور روافض وشیعہ کے نظریات وعقائد سے متاثر ہو رہی ہے، اللہ تعالی ہمیں غلط عقائد و رسومات سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔



ماہ محرم اور یوم عاشوراء کی فضیلت



ازقلم: ابوفیض، سندر باری متعلم: عربی ششم ثانیہ

اسلامی سال کا پہلا مہینہ محرم الحرام ہے جو نہایت عظمتوں اور برکتوں والا ہے، بالخصوص دس تاریخ یعنی عاشوراء کے دن کو دین اسلام میں غیر معمولی حیثیت حاصل ہے؛ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس دن روزہ رکھا اور صحابہ کرام کو بھی اس کا حکم دیا، اس ماہ کے روزوں کی فضیلت کے متعلق اگرچہ عمومی طور پر صحیح احادیث وارد ہیں؛ لیکن یوم عاشوراء کے متعلق بہ کثرت احادیث وارد ہیں، جن سے اس دن کے روزے کی فضیلت واضح ہوتی ہے۔

اس ماہ کے نفلی روزوں کی بڑی اہمیت ہے؛ کیونکہ اس مہینے کو اللہ سے نسبت حاصل ہے اور یہ نسبت ماہ محرم کی فضیلت کو بتلاتی ہے؛ چنانچہ حدیث پاک میں ارشاد ہے **افضل الصیام بعد رمضان شهر الله المحرم** رمضان کے بعد سب سے افضل روزے اللہ کے مہینے محرم کے ہیں، جمہور صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین کی رائے یہی ہے کہ عاشوراء سے دس محرم کا روزہ مراد ہے اور بہ اعتبار لغت کے بھی عاشوراء کا اطلاق اسی پر ہوتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء کے روزے رکھنے کا حکم دیا تھا، پس جب رمضان کا روزہ فرض ہوا تو اب جو چاہے عاشورہ کا روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے، اور ایک حدیث میں اس دن کو اللہ رب العزت کا دن قرار دیا گیا ہے؛ چنانچہ ارشاد نبوی ہے: **هذا يوم من ايام الله فمن شاء صامه و من شاء تركه** اور اس دن روزہ رکھنے کا ثواب یہ ہے کہ سال گزشتہ کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: افضل ترین روزے رمضان کے بعد ماہ محرم کے ہیں اور فرض کے بعد افضل ترین نماز رات کی نماز ہے۔

ان احادیث مبارکہ پر نظر ڈالنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ماہ محرم بہت ہی بابرکت اور مقدس ترین مہینہ ہے؛ لہٰذا ہمیں اس کی عظمت کا خیال رکھتے ہوئے عاشوراء کے روزے رکھنے چاہیے اور اس مہینے میں خوب عبادت کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنی چاہیے، بدعات وخرافات اور رسومات سے اجتناب کر کے سنتوں پر عمل پیرا ہونا چاہیے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔



واقعۂ کربلا اور شہادت حسین

از قلم: محمد فہیم اسعد، چھتر گاچھ متعلم: چہارم عربی



انسانی تاریخ میں سب سے دردناک واقعہ وہ ہے جسے لوگ واقعۂ کربلا اور شہادتِ حسین کے نام سے یاد کرتے ہیں، جس کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے دس سال پہلے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور دیگر لوگوں کے کہنے پر اپنے بیٹے یزید کے لیے بیعت لینی شروع کر دی اور ملک شام اور عراق کے لوگوں نے یزید کی ولی عہدی پر بیعت کر لی؛ مگر حجاز کے لوگ جن میں حضرت حسینؓ شامل تھے، بیعت سے انکار کر دیا تو بالآخر حضرت معاویہ نے کچھ تدبیریں اختیار کیں؛ مگر ناکام رہے، پھر امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد یزید خلیفہ بن گیا اور چونکہ حضرت حسینؓ بیعت سے انکار کر چکے تھے؛ اس لیے بیعت سے انکار کرنے کے بعد اپنے اہل و عیال کے ساتھ مکے کا رخ کیا اور مکہ پہنچے، پھر کوفہ کے لوگوں نے آپ سے بیعت کے لیے آپ کے پاس خط بھیجا اور آپ کی اور اہل بیت کی حمایت کا وعدہ کیا؛ اس لیے آپ نے حالات کا جائزہ لینے کے لیے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیجا، اہل کوفہ نے اولاً ان کے ہاتھ پر بیعت کی؛ مگر بعد میں ان کو دغا دی اور ابن زیاد کے مقابلے میں انہیں تنہا چھوڑ دیا، یہاں تک کہ ابن زیاد نے مسلم بن عقیل کو شہید کر دیا؛ مگر چونکہ اہل کوفہ نے ان سے بیعت کر لی تھی؛ اس لیے انہوں نے آپ کے پاس خط بھیجا تھا کہ حالات سازگار ہیں، آپ تشریف لے آئیے، آپ کو خط ملا؛ چناں چہ آپ نے اپنے قافلے کے ساتھ روانگی کا ارادہ فرمالیا، حضرت ابن عباسؓ اور دوسرے صحابہؓ نے منع بھی فرمایا؛ مگر آپ کے پیش نظر کوفیوں کے بارہ، تیرہ ہزار خطوط تھے، پھر مسلم بن عقیل کا خط بھی تھا؛ اس لیے آپ آٹھ/ ذی الحجہ ۶۱ ہجری کو روانہ ہو گئے، جب آپ کوفہ پہنچے تو ابن زیاد کی فوجوں نے آپ کو گھیرے میں لے لیا، جب آپ نے صورتِ حال کو دیکھا، تو آپ نے صلح کرنے کو کہا؛ لیکن ابن زیاد نہ مانا، آپ کی صلح کو ٹھکرانے کے بعد آپ سفر جاری رکھنے پر قادر ہوئے، اور ۲/ محرم الحرام ۶۱ ہجری کو میدان کربلا پہنچے؛ چناں چہ یہاں ایسا وقت بھی آیا کہ پانی بند کر دیا گیا اور جو آپ کے ساتھی تھے ایک ایک کر کے شہید ہونا شروع ہو گئے، یوں آپ کا جوان بیٹا علی اکبر بھی آگے بڑھتے ہیں اور اللہ کے راستے میں جامِ شہادت نوش فرماتے ہیں اور آپ کے باقی ساتھی بھی درجۂ شہادت حاصل کرنے کے لیے باری باری آگے بڑھتے ہیں، بالآخر وہ وقت آیا جب حسینؓ خود آگے بڑھتے ہیں، دشمنوں کے ساتھ تیغ زنی ہوتی ہے؛ حتی کہ عصر کی نماز کا وقت ہو جاتا ہے، دشمن کے گھیرے میں ہیں اور ادھر نماز کا وقت ہے؛ مگر آپ پھر بھی نماز کے لیے سر کو جھکاتے ہیں اور جان اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں، اور ان ظالموں نے آپ کے سر اقدس کو جسم سے جدا کر دیا، آپ کے جسم پر ۳۳/ زخم نیزے کے اور ۳۰/ تلوار کے اور تیر کے زخم ان کے علاوہ تھے، شہادتِ عظمی کا یہ دردناک واقعہ سن ۶۱/ ہجری ۱۰/ محرم الحرام جمعہ کے دن پیش آیا۔



دس محرم پر کیے جانے والے خرافات اور ان کا تحقیقی جائزہ



از قلم: محمد مناف، نو کٹھ متعلم: چہارم عربی

ماہ محرم الحرام ان اسلامی مہینوں میں سے ایک ہے، جن کو شریعت کی جانب سے بڑے فضائل ومناقب حاصل ہیں، اس ماہ میں ایسے متعدد واقعات جبینِ ارض پر رونما ہوئے، جو تاریخ اسلام کے زریں باب ہیں؛ لیکن اہل دنیا کی بدقسمتی رہی ہے کہ جہاں شریعت کی جانب سے فضائل کے مواقع میسر آتے ہیں، وہاں کچھ ناخواندہ اور ضعیف الفہم لوگ خودساختہ آراء کو فضیلت گردانتے ہیں، اور بڑے التفات واہتمام کے ساتھ افترا پردازیوں پر عمل پیرا ہوکر معصیت کے بار اپنے سر لے لیتے ہیں؛ چناں چہ محرم کی دسویں تاریخ بھی اس افترا کا شکار ہے؛ چوں کہ اس دن نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسینؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا؛ اسی لیے اس مناسبت سے حماقت زدہ ذہن رکھنے والوں کی جانب سے ایسے اعمال رونما ہوتے ہیں جن کی شریعت میں کوئی اصل نہیں، مثلاً: شہادتِ حسینؓ پر ماتم کرنا، سوگ منانا، گریبان چاک کرنا، سینہ کوبی کرنا، جلوس نکالنا، تعزیہ داری کرنا، عورتوں کا خود کو سیاہ کپڑوں سے ملبوس کر کے راستوں کی زینت بننا اور افسردگی کے ساتھ یا حسین! کے نعرے لگانا وغیرہ تمام کے تمام بدعات وخرافات ہیں، جو سراسر شہادتِ حسینؓ کی توہین اور باعث ضلالت ہے جیسا کہ حدیث ہے: **کل بدعة ضلالة۔**

شہادت حسین کے بعد بھی بہت سے صحابۂ کرامؓ باحیات رہے، تابعین، تبعِ تابعین اور ائمۂ مجتہدین پیدا ہوئے، جن کی سوانحِ حیات ان بدعات وخرافات سے پاک ہیں، انہوں نے تو کبھی ان کا اہتمام نہیں کیا؛ لیکن سنہ ۳۵۲ ہجری میں معز الدولہ دیلمی نامی ایک شخص نے خود ساختہ رائے سے لوگوں کو ان بدعات کی انجام دہی کا حکم دیا اور اسی وقت سے یہ غلط رسومات رائج ہوگئیں، جب کہ احادیث شریفہ میں نوحہ کرنے والوں اور اس طرح کے خرافات کرنے والوں پر لعنت بھیجی گئی ہے؛ چناں چہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جو شخص غم کے وقت اپنے رخسار پر طمانچہ مارے، گریبان چاک کرے اور زمانۂ جاہلیت کی طرح بیان کر کے روئے وہ ہم میں سے نہیں، ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ ''نوحہ کرنا'' جاہلیت کا کام ہے، اگر مرنے سے قبل توبہ نہ کرے تو اسے گندھک کا کرتا اور آگ کا کپڑا پہنایا جائے گا، نیز چوں کہ ان خرافات میں شرک کی بو بھی پائی جاتی ہے؛ اس لیے علماء کرام کا فتوی بھی یہی ہے کہ یہ اعمال ناجائز اور حرام ہیں، اور ان سے کلی اجتناب ناگزیر ہے۔

حاصل یہ ہے کہ یہ امور شریعت میں ہرگز قابل قبول نہیں؛ اسی لیے ان کو روبہ عمل لانا ایک مومن کے لیے خسارہ ہی خسارہ ہے؛ لہٰذا ہر فردِ بشر پر لازم ہے کہ وہ ہرگز ان میں شریک نہ ہو۔



دیگر ازواج مطہرات پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت

از قلم: محمد عامر یزدانی، لوچا متعلم: پنجم عربی



نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی تعداد ایک وقت نو تک پہنچ چکی تھی، ان میں عام اصولِ فطرت کے موافق ہر مزاج اور طبیعت کی عورتیں تھیں اور باہم رشک ومنافست بھی تھی، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم چوں کہ ہمیشہ فقر وفاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے، ان کی خورد ونوش کا انتظام بھی خاطر خواہ نہیں ہو سکتا تھا، ان تمام حالات کے ساتھ آپ کی جبین مبارک پر کبھی شکن نہیں پڑتی تھی۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بے انتہا محبت تھی، جب وہ عقدِ نکاح میں آئیں تو آپ کا ریعانِ شباب اور ان کا بڑھاپا تھا، ان کی وفات تک کوئی دوسری شادی نہیں کی، ان کے سپردِ خاک ہونے کے بعد کبھی ذکر آتا تو جوشِ محبت سے بیتاب ہو جاتے۔

ان کے بعد ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا محبوب تر تھیں؛ لیکن محبت کے وہ اسباب نہیں جو عام انسانوں میں پائے جاتے ہیں، حضرت صفیہ اگر چہ کمسن، حسن و جمال اور دیگر ظاہری محاسنِ اخلاق میں ان سے بڑھ کر تھیں؛ لیکن حضرت عائشہؓ کو وہ کمالات حاصل تھے جو اور دوسروں کو حاصل نہیں تھے، جیسے: قابلیت، ذہانت، قوتِ اجتہاد، دقتِ نظر اور وسعتِ معلومات جیسے اوصاف تھے، جو ان کی ترجیح کا اصلی سبب ہیں۔

ایک دفعہ تمام ازواج مطہراتؓ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو خدمت اقدس میں جانے کو کہا، وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہم تمام ازواج مطہرات پر حضرت عائشہ کو ترجیح کیوں دیتے ہیں؟ تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیوں نہ انہیں ترجیح دوں؟ وہ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: شادی کرنے کے لیے عورت کا انتخاب چار اوصاف کی بنا پر ہو سکتا ہے (۱) دینداری (۲) حسن (۳) نسب (۴) مال۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر کام میں سب سے پہلے مقدم جو چیز پیش نظر ہوتی تھی وہ دین تھا اور وہ دین ہی تھا؛ اس لیے ازواج مطہرات میں سے بھی وہی زوجہ زیادہ پیش نظر ہوتی تھیں جن سے دینی خدمت زیادہ ادا ہو سکتی تھی، اور چوں کہ حضرت عائشہؓ مجتہدانہ ذہن رکھتی تھیں کہ وہ بڑے نازک اور دقیق مسائل میں اکابر صحابہؓ سے علمی اختلاف کرتی تھیں؛ چناں چہ اکثر مسائل میں فہم ودقت نظر کا پلہ بھاری نظر آتا تھا، اور خلفاء ثلاثہ (حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم) کے زمانے میں فتوی دیتی تھیں، آپ سے ۲۲۱۰/حدیثیں مروی ہیں، جن میں ۱۷۴/حدیثوں پر شیخین نے اتفاق کیا ہے، امام بخاری ۵۴/حدیثوں میں اور امام مسلم ۶۸/حدیثوں میں منفرد ہیں، بعض لوگوں کا قول ہے کہ احکام شرعیہ کا ایک چوتھائی حصہ انہی سے مروی ہے۔



میرے عزیز پروانو! میں وہی ''شمع نو'' ہوں!

(غم نگار و اشکبار آہ و پکار کرتا جداری مجلّہ)



اداریہ: اسجد نعمانی، بروا متعلم: ہفتم عربی

بزم ''تنویر البیان'' کے متعلقین و منسلکین یارو! قافلۂ قرطاس وقلم کے شانہ بشانہ چلنے والے راہ گیرو! میں مسافرینِ قلم کی تاریک راہوں کو روشن کرنے والا چراغِ رہ گزر رہوں! یعنی میں قلمی پروانوں کی وہی ''شمعِ نو'' ہوں جو آپ کی انجمن کی سرگرمیوں کا آئینہ دار رہوں، صحافت کی جولانیوں کا معیار رہوں، آپ کے پاکیزہ خیالات، سجیلے تخیلات اور تخلیقی نگارشات کا شاہکار رہوں، میری روشنی سے ہی رہروانِ قلم کامیاب و نایاب بنتے ہیں، راہ نما و راہ یاب ہوتے ہیں، صاحبِ قلم و کتاب بنتے ہیں۔

اے قال اللہ وقال الرّسول کی صدائیں لگانے والو! تم تو قرطاس وقلم کی اہمیت سے زیادہ آشنا ہو، کتاب وعلم کی عظمت سے زیادہ روشناس ہو، پھر مجھ (شمع نو) سے اتنی بے اعتنائی، بے وفائی اور بے ادائی کیوں؟ تمہیں یہ تو پتہ ہے کہ قلم کاری تبلیغِ دین کا مؤثر ہتھیار رہے، دفاعِ اسلام کا ٹھوس اوزار رہے؛ مگر تمہیں یہ پتہ نہیں کہ مضمون نویسی تمہارے امتحانات کی پرچہ نویسی میں بے حد مددگار رہے؟

خیال تک نہ کیا اہل انجمن نے ذرا
تمام رات جلی شمع انجمن کے لیے

میں (شمع نو) اپنی پیدائش (۱۹۹۰) سے لیکر آج تک اتنی بے الفتی و بے التفاتی کی شکار ہوئی نہ بے اعتمادی و بے اعتدالی کی بیمار ہوئی، اوراقِ زمانہ پلٹتے رہے، گردشِ ایام ہوتی رہی؛ غرض ہر ''فردِ زمن'' ہر ''ایڈیٹرِ عصر'' میرے شمع بردار ہوتے رہے، مجھے فروزاں رکھتے رہے جس پر میں نازاں ہوتی رہی اور شاداں رہتی رہی؛ لیکن آج میں تمہاری بے رخی، بے رغبتی اور بے فکری سے سراپا فریاد و فغاں اور بے حد نالہ کناں ہوں، تم سے بے انتہا پریشاں اور مدیر سے بہت پشیماں ہوں، تمہاری اچٹتی نظر پر میری نظر ہے؛ مگر تم اس اثر سے بے خبر۔ کیوں تم میری دکھتی رگ پر ہاتھ نہیں رکھتے؟ یا تمہیں میری شمع سحری و شمع خاموشی کا انتظار ہے؟

وہ شمع کرے فخر بھلا خود پہ تو کیسے
دہلیز پہ جس کی کوئی پروانہ نہیں ہے

خیر! جو ہوا سو ہوا، اب ہوش کے ناخن لو! اور سنو! ماضی کی حجت پیش نظر رکھو! حال کی غفلت چھوڑو! اور مستقبل کی قابلیت بناؤ! سوچو کہ تحریری مشق کا یہ وقت اور کبھی نہ ملے گا، کہولت وضیاعِ وقت کے ڈسنے سے بچو! کہ یہ زہرِ ہلاہل ہیں، قوتِ ارادی مضبوط بناؤ! احساسِ کمتری ختم کرو! اپنے اندر عالی حوصلگی جگاؤ! گزشتہ سے عبرت لو! حاضر میں زحمت اٹھاؤ اور آئندہ کی لیاقت پیدا کرو! ان شاء اللہ لکھتے لکھتے لکّھار، گرتے پڑتے شہسوار اور گھستے گھستے چمک دار بنو گے۔ ع

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی